پندرہ روزہ
رہ گذر
حیدرآباد
خصوصی شمارہ

مراسلت کے لیے
"رہ گذر" پندرہ روزہ
۵۹/۱-۳-۱-۲۰ شاہ گنج
حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲

۹-۲۳ نومبر سنہ ۱۹۸۴ء | قیمت ۵۰ پیسے جلد (۱) | شمارہ ۱۴-۱۵

ملک و ملّت کے لئے لمحۂ فکریہ!

از: عبدالحفیظ خاں، سرپرست، اسلامک پارٹی آف انڈیا

روزنامہ رہنمائے دکن میں "مسلم متحدہ محاذ اور مجلس" کے زیرِ عنوان مسلسل چار اقساط میں جو وضاحتی مضمون شائع ہوا ہے اور پوری شرح و بسط سے جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں اس پر رہنمائے دکن یقیناً مبارکباد کا مستحق ہے۔ ملت اسلامیہ اور خاص طور سے مسلمانانِ حیدرآباد یقیناً بے انتہا مشکور ہیں کہ رہنمائے دکن نے بہت سی غلط فہمیوں سے بڑی بے باکی اور صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ اس سے ملّت کے لئے اس کے خلوص، حق پسندی، خیر خواہی اور اصابت رائے کا اظہار ہوتا ہے۔

مجلس اور اس کا اخلاقی و سیاسی کردار کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ، دانشور اور اہلِ فکر افراد نے کسی وقت بھی مجلس کو قبول نہیں کیا۔ جوش سے عاری پُرجوش قیادت مسلمانوں کے لئے کسی وقت بھی سودمند نہیں رہی جبکہ اس کی پشت پر کوئی واضح نصب العین کوئی تعمیری منصوبہ اور جامع طریقۂ کار بھی نہ ہو۔ پالیسی اور پروگرام میں کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی بھی نہ ہو اسٹیج پر کچھ ملّی جذبات کی نعرہ بازی، بلند بانگ دعووں کی صدائے بازگشت، اپنے ہی اکابرین کی سرِعام پگڑیاں اچھالنا، تقاریر کا پُرجوش بازاری لب و لہجہ، گفتار کی گرم بازاری، جوڑ توڑ اور سٹہ بازی، دلفریب جوشیلے فقرے، دوسروں پر پھبتیاں اور الزام تراشیاں شور و شر مجلس کا طرۂ امتیاز رہا ہے جبکہ تعلیم یافتہ اور

کسی سنجیدہ آدمی نے کبھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا!

الیکشن کے مواقع پر ایسی جذباتی فضا پیدا کی جاتی ہے کہ چار و ناچار مسلم عوام کے ووٹ کا وزن مجلس کے بیلٹ باکس کو حاصل ہوتا ہے۔ ایک طویل عرصہ سے الیکشن کی سیاست میں مجلس بلا شرکت غیرے پرانے شہر حیدرآباد کی نمائندگی کرتی رہی ہے مگر مسلسل اس نمائندگی کے باوجود مجلس نے کیا تعمیری رول ادا کیا ہے؟ پرانے شہر کے کونسے عوامی مسائل ہیں جو حل ہوسکے ہیں؟ شہر پسماندگی اور درماندگی کے تاریک غار میں ڈھکیلا جا رہا ہے غربت و افلاس کے سایے گہرے ہوئے ہیں۔ مجلس نے اگر کبھی ان مسائل کے بارے میں کوئی آواز اٹھائی بھی ہے تو صرف اسمبلی کے ہال میں اور وہ بھی طیش اور غصہ کے بے ڈھنگے لب و لہجہ میں! کیا کبھی مجلس نے پرانے شہر کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کوئی منصوبہ بند تعمیری ماسٹر پلان پیش کیا ہے؟ اور اسکو کامیاب کرانے کے لئے کوئی عوامی تحریک چلائی ہے؟ جذباتی نعرے بازی اور اخباری بیان بازی تو بہت آسان کام ہے۔ یہ لیڈری چمکانے کے لئے تو شاید کوئی حربہ ہوسکتا ہے مگر کسی تعمیری رول ادا کرنے کے لئے جس خلوص، ایثار اور قربانی کی جدوجہد درکار ہے اس کا اظہار مجلس کی طرف سے آج تک نہ ہوسکا۔

مجلس کی لیڈرشپ کے آپس میں متضاد مفاد

اتفاق اور مفاہمت کی کچھ کوششیں کئی بار ہوچکی ہیں۔ سیاسی اور الیکشنی سیاست کے علاوہ رفاہی کاموں میں بھی متحدہ و مشترکہ محاذ کی صورت بنی لیکن مجلس نے خوش دلی سے کبھی ان کوششوں میں تعاون نہیں کیا بلکہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہمیشہ برقرار رکھی۔ اسطرح ملت کے مفاد کے لئے متحدہ اور مشترکہ جب اور جو بھی کوشش کی گئیں، مجلس کا مخلصانہ تعاون کبھی حاصل نہیں رہا ہے۔ مجلس کا سیاسی زعم اور شخصی و پارٹی انا یا شخصی اور پارٹی عصبیت نے متحدہ کوششوں کو بھی پر کاہ کے برابر بھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ مجلس کے پاس متحدہ محاذ کے قائدین کا احترام و اکرام کبھی حاصل نہیں ہوا اور کسی اجتماعی فیصلہ کی مخلصانہ پابندی کے جذبے کا اظہار نہیں ہوا بلکہ ایسے تمام مواقع پر مجلس نے اپنے مقاصد کے لئے استحصال کا پورا پورا فائدہ حاصل کیا ہے۔

امن و آشتی کا گہوارہ!

ہمارا شہر، حیدرآباد ہمیشہ امن و آشتی اخوت و بھائی چارگی اور یکجہتی کا گہوارہ رہا ہے۔

حیدرآباد کی تہذیبی روایات میں ہندو مسلم دوستی
اور باہمی خوشگوار تعلقات مثالی نوعیت کے رہے
ہیں۔ مگر کچھ دنوں سے یہی شہر فرقہ پرستی کی آگ
میں بُری طرح جھلس کر رہ گیا ہے۔ کتنی ہی معصوم جانیں
جارحانہ فرقہ پرستی کی دیوی پر بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔
جان و مال کے ناقابل تلافی نقصانات ہوئے ہیں، طول و
طویل مدت کے مسلسل کرفیو نے انسانی جانوں کو اجیرن
بنا دیا ہے

دو فرقوں کے درمیان نفرت و عناد کی مستقل
دیواریں حائل ہو گئی ہیں آپس میں شکوک و شبہات کی فضا
نے جنم لیا ہے۔ انتقامی جذبے کا عمل اور ردِ عمل
ایک منحوس روایت بن گیا ہے۔ یہ سب کچھ کن اسباب و
علل اور وجوہات و محرکات کا مرہونِ منت ہے؟
دوسروں کی فرقہ پرستی، عناد و دشمنی کا خوب رونا رویا
جا سکتا ہے مگر جس طرح دوسروں کی فرقہ پرستی ایک
لعنت ہے اسی طرح گھر کی فرقہ پرستی اس سے بڑی لعنت
ہے۔ اسلام فرقہ پرستی کی ہرگز تعلیم نہیں دیتا۔ وہ تو
امن و آشتی اور اخوت و بھائی چارگی کا علم بردار ہے
وہ انسان اور انسان کے درمیان نفرت کی تعلیم
نہیں دیتا بلکہ اولاد کے ناطے احترامِ آدمیت کی تلقین
کرتا ہے۔

ہے ایک خدا کے ہم سب بندے
ایک آدم کی سب اولاد
پھر یہ باہم نفرت کیسی؟

اس تجزیہ کی روشنی میں "مسلم متحدہ محاذ"
کی تشکیل مخلصانہ اور قابل ستائش کوشش تھی۔
مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ہونا ہی چاہیے' اس
سے زیادہ خوش آئند بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ
مسلمانوں کے مفادات کے لئے "مسلم قائدین کو اتحاد و
اشتراک اور باہمی تعاون کا ثبوت دینا چاہیے
تھا۔ مسلمان تو اس جذبہ کے لئے مر مٹنے کے لئے تیار
ہے۔ مسلم مجلس مشاورت جس کے سربراہ ڈاکٹر سید محمود
تھے۔ اس کا ابتدائی دور گواہ ہے کہ صرف اس جذبہ
اتحاد سے سرشار ہو کر مسلمانوں نے کس جوش و خروش
کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن قائدین نے مسلمانوں کے اس
جذبہ کی قدر افزائی نہیں کی اور مسلم مجلس مشاورت
اختلاف و افتراق کی نذر ہو کر رہ گئی۔ یہی حال
"مسلم متحدہ محاذ" کا بھی ہو کر رہا۔

مجلس کے مفاد پرستانہ طرزِ عمل اور ناعاقبت
اندیشانہ سیاسی انا کی روشنی میں مسلم متحدہ محاذ کی تشکیل
اور موجودہ اختلاف و افتراق کے پیشِ نظر اس کے بارے
میں چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں۔ ان کے جوابات

متحدہ محاذ کے جملہ ارکان کے ذمے ہیں ۔

۱۔ مسلم متحدہ محاذ کی جب تشکیل عمل میں آئی تو کیا اس کا کوئی دستور، ضابطہ اور راہ عمل تحریری شکل میں مرتب ہوا تھا جس کی پابندی ہر رکن محاذ پر لازمی تھی ؟

۲۔ کسی مسئلہ کے فیصلہ کرنے کے لئے کیا کوئی طریقہ کار طے کیا گیا تھا ؟ متفقہ یا کثرت رائے سے ۔

۳۔ الیکشن میں مجلس کے امیدواروں کی غیر مشروط تائید کے لئے کیا کوئی ضابطۂ اخلاق طے ہوا تھا ؟

۴۔ محاذ نے مجلس کے امیدواروں کی صرف اخباری اعلانات کی حد تک تائید کی تھی یا الیکشن کی مہم میں بھی تعاون کرنے کی بات طے ہوئی تھی ؟

۵۔ مجلس کے ساتھ محاذ کا معاہدہ کیا الیکشن کے مسئلہ ہی تک محدود تھا یا مسلمانوں کے تمام مشترکہ مسائل میں آپسی صلاح و مشورہ سے کام کرنا مقصود تھا ؟

۶۔ مسجد ابراہیمیہ کے بارے میں بند منانے کا فیصلہ متفقہ تھا یا چند ارکان محاذ کا فیصلہ تھا اور اس فیصلہ سے کیا محاذ کی دیگر جماعتوں کو مطلع کیا گیا تھا ؟

۷۔ آصف نگر کے ضمنی الیکشن میں مجلس نے محاذ کے فیصلہ کی جب قدر افزائی نہیں کی اور ایک کانگریسی نقطۂ نظر کے حامل غیر متعارف فرد سے معاملہ کر لیا تو محاذ نے عوام کے سامنے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کیوں نہیں کی ؟

۸۔ چیف منسٹر این ٹی راما راؤ کی برطرفی اور اس مہم میں مجلس کا غیر دانشمندانہ اور غیر اخلاقی رویہ جب ہر جگہ موضوع بحث بن چکا تھا تو مسلم متحدہ محاذ کی طرف سے واضح پالیسی کا اعلان کیوں نہیں کیا گیا اور اس رویہ سے اپنی برأت کا اعلان کیوں نہیں کیا گیا ؟

۹۔ اچانک پانسہ پلٹنے کے بعد اور این ٹی راما راؤ کی چیف منسٹری کے حلف لینے کے بعد مسلم متحدہ محاذ کے قائدین سلامی کے لئے پہنچ گئے ۔ انہوں نے ایک ایسے میمورنڈم پر دستخط ثبت کر دیئے جس کے خط و خال سے وہ خود واقف نہیں تھے اور جس کی بعد میں صفائی کرنی پڑی ۔ کیا یہ غیر دانشمندی اور عدم پختگی کا اظہار نہیں ہے ؟

یہ اور اس طرح کے کئی سوالات مسلم متحدہ محاذ کے حالیہ سلسلے میں ایک عام مسلمان کے ذہن میں ابھرتے ہیں ۔ اور جو تصویر اس کی اب تک بنی ہے وہ متضاد مفادات کے لئے وقتی مفاہمت کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ اتحاد،

اتفاق اور ہم فکری تو دور کی بات ہے باہمی مشاورت جو مسلم اجتماعیت کا لازمی تقاضا ہے اسکا بھی فقدان ہے۔ ملت کی واقعی خدمت کا مخلصانہ جذبہ ہوتا تو شخصی مفاد، ذاتی وقار اور جماعتی عصبیت سے بالاتر ہو کر اتحاد و اتفاق اور یک فکری و یکجہتی کی فضا کا پیدا ہونا لازمی تھا مگر :-

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس وقت مجلس اور مسلم متحدہ محاذ دو الگ الگ راہوں پر بہت دور نکل چکے ہیں اور محاذ جسکا مقصد ہی اتحاد و اتفاق اور باہمی مفاہمت کی فضا پیدا کرنا تھا، وہ نہ صرف نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے بلکہ باہمی رسہ کشی کے حالات پیدا ہو چکے ہیں۔

مذکورہ بالا صورتحال کی ذمہ داری شہر حیدرآباد کی مسلم قیادت اور سیاسی محاذ پر عائد ہوتی ہے۔ کل ہند سطح پر حالات کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ انڈین یونین مسلم لیگ جسکا کیرالا اور تامل ناڈو میں تھوڑا بہت اثر ہے آجکل کانگریس آئی کی حلیف ہے۔ ممکن ہے آئندہ الیکشن میں وہ کمیونسٹ مارکسسٹ پارٹی کی حلیف، ایسا وہ اس سے قبل کئی بار کر چکی ہے۔ جسطرح آندھرا پردیش میں مجلس اتحاد المسلمین کانگریس آئی سے پینگیں بڑھا رہی ہے اور مسلم متحدہ محاذ تلگو دیشم سے موافقت پیدا کرنے کی فکر ہے اسی طرح دیگر ریاستوں میں بھی مسلم سیاست کا حال ہے۔ چند ماہ پہلے کل ہند سطح پر مسلم مجلس، مسلم لیگ اور مجلس اتحاد المسلمین کا "مسلم قومی محاذ" بنا تھا، لیکن متفرق مختلف سیاسی مقاصد اور مقامی و ریاستی مفادات کے پیش نظر اس محاذ کا مستقبل بھی حیدرآباد کے "مسلم متحدہ محاذ" سے مختلف نظر نہیں آتا۔

جماعت اسلامی ہند، تعمیر ملت وغیرہ غیر سیاسی جماعتیں ہیں اور ان جماعتوں نے اپنے لئے جو راہ پسند کر لی ہے اور ملت و ملک اور دین کی خدمت کا جو کام اپنے ذمہ لیا ہے وہ نہایت ضروری ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ یہ پوری یکسوئی سے اپنے اپنے مفوضہ کاموں میں ہی مصروف رہیں اور خواہ مخواہ سیاست میں دخیل نہ ہوں کیونکہ دیگر کاموں کی طرح سیاسی کام بھی ذہنی یکسوئی، تربیت اور مخصوص مزاج و حکمت عمل کا متقاضی ہوتا ہے اور برسوں ایک مخصوص دینی و مذہبی انداز سے کام کرنے کی وجہ مذکورہ تنظیموں کا ایک جماعتی مزاج بن گیا ہے جو سیاست سے میل نہیں کھاتا۔ مثال کے طور پر جماعت اسلامی ہی کو لیجیے اس کی مرکزی مجلس شوریٰ گذشتہ ۲۵ سال سے الیکشن کے موضوع پر غور کر رہی ہے اور اب تک اس معاملے میں یکسوئی حاصل نہیں کر سکی ہے

بلکہ یہ مسئلہ اسکی صفوں میں موضوعِ اختلاف وباعثِ گروہ بندی بن گیا ہے۔ ایک گروہ الیکشن میں حصہ لینے کو حرام سمجھتا ہے دوسرا گروہ اگرچہ اسے حرام نہیں سمجھتا مگر ایسے شرائط عائد کرتا ہے جو آئندہ سو سال میں بھی پورے نہ ہوں۔ تیسرا گروہ الیکشن میں فی الفور داخل ہوجانا چاہتا ہے۔ مگر جماعت کی مرکزی قیادت کا یہ حال ہے کہ آج سے ۲۲ سال پہلے جو کتابچہ "پس چہ باید کرد" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا اسے نام بدلکر یعنی "الیکشن اور مسلمان" کے نام سے شائع کردیا جاتا ہے۔ حالانکہ جب اور اب میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہوگیا ہے، ملکی سیاست بدل گئی، سیاسی جماعتوں کے حلیے بدل گئے، مسلمانوں نے کئی سیاسی واجتماعی تجربات کیے۔ "مسلم مجلس مشاورت" کے قیام سے لیکر جنتا پارٹی کے عروج وزوال تک اور خود "جماعت اسلامی ہند" نے الیکشن کے موقع پر اپنی فکر وعمل کے زاویوں میں بہت کچھ ترقی کی مگر جماعت کی مرکزی قیادت سنہ ۱۹۶۲ء سے آگے نہیں نکل سکی ہے۔ جو "نسخۂ شفاء" اسے آج سے ۲۲ سال پہلے مل گیا تھا اسے آج وہ سنہ ۱۹۸۴ء کے اختتام پر بھی جوں کا توں پیش کرنے پر مُصر ہے۔ ملّی سطح پر مسلم سیادت وقیادت کا یہ ناگفتہ بہ حال ہے اور ملک میں اچانک ایک نئی صورتحال پیدا ہوگئی ہے اس سے نبرد آزما ہونا ہے۔ لیکن جو قیادت "مسلم مجلس مشاورت" جیسے غیر سیاسی ملّی ادارہ کی صدارت کا مسئلہ حل نہ کرسکے اس سے نازک ملکی وملّی حالات میں قیادت ورہنمائی کی توقع عبث ہے۔ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے اچانک حادثۂ انتقال کے بعد جس سے تمام ملک سوگوار ہے ملک کے حالات میں غیر متوقع تبدیلیوں کے آثار ہیں۔ پرانے اندازوں کے تانے بانے بکھر کر رہ گئے ہیں۔ اور نئے نقوش میں رنگ آمیزی شروع ہوچکی ہے۔ اندیشہ ہے کہ ملک انتشار افتراق اور پراگندگی کے جال میں نہ پھنس جائے۔ اول تو کوئی معقول اور مستحکم کل ہند قیادت بدقسمتی سے ملک کو میسر نہیں ہے جسکو پورے ملک میں متفقہ طور پر عوام میں قبولیت عام حاصل ہو۔ اپوزیشن قائدین میں عوامی خدمت اور کوئی تعمیری رول ادا کرنے کے بجائے ہر ایک کے دل میں وزیر اعظم ہند بننے کی تمنا کروٹیں لے رہی ہے ملک کے مستقبل کا کیا حشر ہوگا اللہ ہی کو معلوم ہے بظاہر حالات تو ملک کا مستقبل تاریک سے تاریک تر نظر آرہا ہے۔ ایک خاندان کی وراثتی حکمرانی کے تصور کو عوام ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

ایسے نازک حالات میں مسلمانانِ ہند کے اوپر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مسلمان ہی ایک تعمیری، اخلاقی، انسانیت نواز ملک کی حقیقی خیرخواہی کے جذبہ سے معمور صلح پسند اور متوازن ذہن کی حامل ملت ہے ایسے نازک حالات میں مسلمانوں کو آگے بڑھ کر اہم رول ادا کرنا چاہیئے اس کے لیے ضروری ہے کہ اولاً مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد واتفاق اور ہم فکری ویکجہتی کی فضا قائم ہو اہلِ دانش اور دردمندانِ ملک وملت سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی متحدہ ومتفقہ راہِ عمل متعین کریں۔ گذشتہ دور کے سیاسی واجتماعی تجربات کے مدنظر غور وفکر کے لئے چند ایسے خطوط تجویز کیے جائیں جنہیں مذکورہ راہِ عمل کی بنیاد بنایا جاسکے۔

۱۔ اب یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ متحدہ قومیت کا وطن پرستانہ تصور اس ملک میں نہیں چل سکے گا۔ اب یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہندوستان مختلف مذہبی اور تہذیبی اکائیوں کا گہوارہ ہے اور ان مذہبی اور تہذیبی اکائیوں کو اپنا جداگانہ تشخص عزیز سے عزیز تر ہے اور اس کا عدم تحفظ کسی طرح گوارا نہیں ہے "ہندو، ہندی، ہندوستان" کا نعرہ ان مذہبی و تہذیبی اکائیوں کے لئے قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔

۲۔ جس طرح قومی وحدت کو لسانی بنیادوں پر ریاستی تنظیم جدید سے کوئی نقصان نہیں ہوا اسی طرح تہذیبی و مذہبی اکائیوں کو دستور ہند کے دائرہ میں مناسب طور پر تسلیم کرنے (Recognition)، انہیں اپنے حقوق کی ادائیگی اور مذہبی و تہذیبی ورثہ کی حفاظت، بقا و تسلسل کے لئے دستوری، قانونی اور سیاسی اختیارات دینے سے ملک کا اتحاد، سیکولرزم اور جمہوری اقدار کو نہ صرف یہ کہ کوئی گزند نہیں پہنچے گا بلکہ ایک نئی زندگی ملے گی۔ اس کے برعکس اگر کوئی طبقہ یا گروہ جارحانہ سیاسی داؤ گھاٹ پالیسی پر گامزن ہو کر جمہوریت کے نام پر ایک مخصوص فرقہ اور مذہب کی بالادستی و برتری منوانے کی کوشش کریگا تو وہ ملک کی بدخدمتی کا مجرم ہوگا اور اسکے رد عمل کے طور پر ملک میں افتراق و انتشار پیدا ہوگا۔

۳۔ یہ حقیقت بھی مد نظر رہے کہ دراصل یہاں کوئی مذہبی فرقہ وارانہ اکثریت نہیں ہے بلکہ یہ ملک مذہبی و تہذیبی اقلیتوں کا دیس ہے اور جس طرح اس ملک کے سیاسی نظام میں وفاق کی روح کارفرما ہونا چاہیئے اسی طرح یہاں کوئی ایسی سیاسی تنظیم کامیابی سے نہیں چلائی جا سکتی جس پر خصوصی طور پر اور عملاً ایک فرقہ کی اکثریت کی بالادستی ہو اقلیتوں کے وفاق کے اس ملک میں وہی سیاسی جماعت کامران ہو سکتی ہے جو اصولی بنیادوں پر قائم ہو اور جو وفاقی روح سے چلائی جائے۔

۴۔ دستور ہند کے موجودہ ڈھانچے میں ایسی مناسب تبدیلی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جسکے ذریعے ملک میں بسنے والی تمام مذہبی و تہذیبی اکائیوں کو ایوانِ حکومت اور خدمات میں پوری طرح نمائندگی حاصل ہو سکے اور اُن کے اجتماعی، مذہبی و تہذیبی حقوق و معاملات میں مناسب تحفظ اور مناسب حصہ مل سکے۔ اور یہ مذہبی و تہذیبی اکائیاں اپنے اپنے دائرہ میں پروان چڑھ سکیں اور اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے ملک کی تعمیر میں اہم رول ادا کر سکیں۔

یہ اہم کام، باہمی نفرت و حقارت، تعصب و تنگ نظری و موجودہ فضا کو یکسر بدلے بغیر انجام نہیں پا سکتا اور اس کے لئے ہندوستان کے ہر شہری کے اندر ایک

THE RAH-GUZER HYDERABAD.2

R. NO. 20937/7 Postal Regd. NO. HSE 372/84

دوسرے کے لئے ملک کے معزز شہری ہونے کی حیثیت سے اور انسانیت کے لازوال تعلق کی بنا پر احترام و اکرام اور قدر و منزلت کی فضا کو پروان چڑھانا ہوگا۔

اس اہم کام میں پہل اس وقت اس ملک میں مسلمان ہی انجام دے سکتے ہیں کیوں کہ مسلمان کے پاس ہی وہ لازوال اخلاقی قدروں کا اثاثہ ہے جس کی بنیاد پر یہ کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے مسلمانوں کو تمام جماعتی و گروہی عصبیتوں اور ذہنی تحفظات سے بالاتر ہو کر مضبوط اور مستحکم اجتماعی کوششوں کا آغاز کرنا چاہیئے اور اس کام میں تمام محبِ وطن، خیر پسند اور سنجیدہ و تعمیری ذہن رکھنے والے برادرانِ وطن کا تعاون و اشتراکِ عمل بھی حاصل کرنا چاہیئے۔ اور اگر باہمی اتفاق سے ایک نئی کل ہند سیاسی جماعت کے قیام کے لئے ضرورت داعی ہو تو ایک ایسی قیادت جو ہوشمند بھی ہو اور سرگرم عمل بھی اور بے داغ سیرت و کردار کی حامل بھی ہو اور اس کی تلاش و جستجو کرنا چاہئے کیونکہ اب ملک و ملت کو جس طرح بے اصول و بے اخلاق سیاست اور خدا نا آشنا قیادت سے نقصان پہنچا ہے وہیں فرقہ پرست اور جذباتی قیادت و سیاست نے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ہے، اس کے بجائے ملک و ملت کی حقیقی خیر خواہی اصول پسندی اور مقصدی سیاست میں کارفرما ہے اور ایک ایسی سیاسی جماعت جو ملک و ملت کے سیاسی، اجتماعی اور مذہبی و تہذیبی مسائل کے دستوری و سیاسی حل کے لئے ہمہ گیر جد و جہد کا لائحہ عمل بھی رکھتی ہو وہی ملک و ملت کے مستقبل کی بقاء اور استحکام کی ضامن ہو سکتی ہے۔

تمام دانشورانِ قوم اور دردمندانِ ملک و ملت کے سامنے یہ خیالات اس اپیل کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں کہ اگر ضرورت متقاضی ہو تو ایک کنونشن کا انعقاد عمل میں لاکر مستقبل کا قومی لائحہ عمل ترتیب دینا چاہیئے اور ایک نئے ہندوستان کی تعمیر کے لئے تاریخی جد و جہد کا آغاز کر دینا چاہیئے۔

وما علینا الا البلاغ

DAERA PRESS, SHAH GANJ, HYDERABAD 2 - ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: محمد یوسف الدین قیصر